Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:7-8 (1966)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

بحیثیت معاشرتی تنظیم کے ایک اصول کے

محمد صدیق الرحمن
فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی

قرآن مجید اچھائی اور برائی کے لئے اکثر یہ دو اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ ایک معروف، اور دوسری منکر۔ عربی زبان کی مشہور لغات لسان العرب میں معروف کے یہ معنی دئے ہیں: کل ما تعرفه النفس من الخیر و تبساء به و تطمئن الیه —

(ہر وہ اچھی چیز جسے نفس جانتا ہے، آسے پسند کرتا ہے۔ اور اس سے اسے اطمینان ہوتا ہے) اور اس کی جو چیز ضد ہوگی' وہ منکر ہے۔ انگریزی زبان میں عربی کی لین کی لغات میں معروف کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔

Signifying liberality, or bounty, when it is with moderation, or with a right or just aim, and sincere or honest advice or counsel or action; and good fellowship with one's family and with others of mankind, and any action or dced, of which the goodness is known by reason or by the law''.

(معروف دلالت کرتا ہے فراخ دلی یا فیاضی پر اگر وہ اعتدال کے اندر رہے - یا وہ صحیح اور منصفانہ مقصد کے لئے ہو۔ نیز پر خلوص اور ایمانداراانہ نصیحت' رائے اور عمل پر۔ اور اپنے خاندان اور نوع انسانی میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک پر — اور ہر عمل اور کام پر جس کی اچھائی دلیل یا قانون سے معلوم و ثابت ہے)

اور لین کے لغات میں منکر کے یہ معنی دیے گئے ہیں۔

''Contrary of Ma'ruf; any action disapproved or disallowed by sound intellects; or deemed or declared thereby to be bad, evil, hateful, abominable, foul, unseemly, ugly, or hideous; or pronounc. ed to be so by the law because the mind deliberates respecting the regarding it as such''.

(معروف کے برعکس — ہر وہ فعل جسے صحت مند دماغ ناپسند کریں یا اس کی اجازت نہ دیں۔ یا وہ فعل برا، خراب، قابل نفرت، مکروہ، فاسد، نامناسب، گندہ یا وحشت ناک سمجھا جائے، یا اسے ایسا قرار دیا جائے۔ یا قانون اسے ایسا بتائے کیونکہ اس کے بارے میں دماغ یہی سوچتا ہے) ۔

قرآن مجید نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ قرآن کا مومنوں کو ارشاد ہے کہ وہ معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں۔ سورہ آل‌عمران میں ہے :- و لتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر و اولئک هم المفلحون ولا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ماجائتهم البینات ۔ (۳-۱۰۳) ۔ (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں ۔ اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا' جنہوں نے باہم تفریق کرلی اور باہم اختلاف کرلیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد) ۔

اب یہ کہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کے حکم کے مخاطب سب ہیں یا اُمت کا ایک مخصوص گروہ ۔ اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے ۔ اور اس اختلاف کی بنا لفظ '' منکم '' ہے ، بعض مفسرین جیسے کہ جلالین میں ہے' منکم میں جو من ہے' اسے تبعیضیہ بتاتے ہیں' یعنی تم میں سے ایک گروہ، تمام کی تمام اُمت نہیں ۔ لیکن بعض دوسرے مفسرین کا جیسے کہ امام رازی اور شیخ محمد عبدہ ہیں' کہنا ہے کہ منکم میں من بیانیہ ہے' یعنی دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم سب کے لئے ہے ۔ آخر الذکر مفسرین نے اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن کی بعض دوسری آیات پیش کی ہیں، جن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری مومنین کے کسی ایک گروہ تک محدود نہیں رکھی گئی ، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے ۔

کنتم خیر اُمة اُخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون باللہ — ۳ - ۱۰۹ — (تم لوگ بہتر اُمت ہو کہ وہ لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے ۔ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) ۔

یعنی مسلمان اس لئے بہترین اُمت ہیں کہ انہیں اس فرض منصبی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ معروف کا حکم کریں ۔ منکر سے روکیں اور آن کا اللہ پر ایمان ہو ۔

شیخ محمد عبدہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا سب کی ذمہ داری ہے ، قرآن مجید کی حسب ذیل آیات پیش کرتے ہیں ۔

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر (۱۰۳) ۔ شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تواصوا کے معنی امر و نہی کے ہیں ۔ چنانچہ قرآن مجید میں عیسائیوں کے خلاف یہ فرد جرم لگائی گئی ہے کہ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون ۵-۹ ۷ ۔ (ایک دوسرے کو برے کام سے جو وہ کرتے تھے، منع نہ کرتے تھے ۔ البتہ برا تھا جو وہ کرتے تھے) ۔

تفسیر جلالین میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری تمام مومنین کے بجائے صرف ایک مخصوص گروہ تک اس لئے محدود کی گئی ہے کہ مفسرین جلالین کے نزدیک اس کے لئے معروف اور منکر کا علم ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے اُمت میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں یہ علم نہیں ہوتا۔ لیکن امام رازی کا کہنا یہ ہے کہ المعروف و المنکر پر جو الف لام ہے وہ استغراق کا ہے ' جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر معروف (اچھی بات) اور ہر منکر (بری بات) پر یہ المعروف اور المنکر شامل ہے (۱) ۔ اسی ضمن میں امام رازی نے یہ بھی کہا ہے :- اعرف المعروفات الدین الحق و الایمان بالتوحید و النبوۃ و انکر المنکرات الکفر باللہ (۲)۔ (معروف باتوں میں سب سے بہتر دین حق ہے اور توحید و نبوت پر ایمان ہے ۔ اور منکرات میں سے سب سے بری بات اللہ سے کفر کرنا ہے ۔

قرآن مجید اور سنت میں کبھی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرے کو محدود نہیں کیا گیا ۔ اور نہ یہ کسی خاص گروہ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس پر عامل ہو ۔ مولانا ابوالکلام

آزاد نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو صرف طبقہ علماء سے مخصوص کرلینے کی مذمت کی ہے، اور اسے مشرکانہ فعل بتایا ہے ۔ (۳) ۔

قرآن مجید انسانی معاشرے کے اس روگ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم ہر مسلمان کے لئے لازمی قرار دے کر دور کرنا چاہتا ہے ۔ اس بارے میں قرآن مجید کے جو ارشادات ہیں، وہ اوپر گزر چکے ہیں ۔ احادیث میں بھی اس پر بہت زور دیا گیا ہے ۔ ایک حدیث نبوی ہے '' من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان (المسلم‌من ابو سعید خدری) — (اگر تم میں سے کوئی بری بات دیکھے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو ہاتھ سے ٹھیک کردے، اگر وہ ہاتھ سے نہیں کرسکتا تو پھر زبان سے اور اگر زبان سے نہیں ۔ تو دل سے (اسے برا سمجھے) اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے) ۔

افسوس ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کے بارے میں ہمارے مفسرین '' منکم '' کے ضمن میں تبعیضیہ اور بیانیہ‌کی بحث میں پڑگئے ۔ اور معاشرتی زندگی‌کی اصلاح کے سلسلے میں اس حکم کی اہمیت نظر انداز ہوگئی۔ اگر ہم '' من '' کو تبعیضیہ بھی مان لیں' تو اس سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہنی چاہئے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند رہے اور معاشرے کی اصلاح کرتی رہے ۔

بے شک قرآن مجید میں ہر شخص کو اپنی ہدایت اور گمراہی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے، ''من یھتدی فانما یھتدی لنفسہ و من ضل فانما یضل علیھا ولا تزر وازرۃ وزر آخری۔ ۱۷-۱۵ - (جس‌نے ہدایت پائی، تو وہ اپنے آپ کے لئے ہدایت پاتا ہے ۔ اور جو گمراہ ہوا، تو وہ اپنے نقصان کے لئے گمراہ ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا) لیکن قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے ۔ '' ونیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم ۲۹-۱۰ -

(یہ لوگ اپنے گناہ اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے) ۔

مطلب یہ ہے کہ اگرایک شخص کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھتا ہے'

اور وہ اسے نہیں روکتا، تو اس سے لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے اور وہ برے کام کی برائی سے آگاہ نہیں ہو پاتے ' اسی لئے برے کام سے نہ روکنے والا بھی قابل مواخذہ ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت لقمان نے جہاں اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے کی تلقین کی، وہاں اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی کہا ۔ ارشاد ہوتا ہے :

یا بنی اقم الصلوۃ وأمر بالمعروف و انہ عن المنکر و اصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور ۔ ۳۱-۱۷ ۔ (اے میرے بیٹے ۔ نماز قائم کر ۔ اور معروف کا حکم کر اور منکر سے منع کر اور جو تجھے مصیبت پہنچے' اس پر صبر کر ۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے) ۔
اور ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے :-

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و یقیمون الصلواۃ و یؤتون الزکوۃ و یطیعون اللہ و رسولہ ۔ ۹-۷۱ — (مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں ۔ وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں ۔ نماز قائم کرتے ہیں ۔ زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں) ۔

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیق سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ۔ تم لوگ قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہو — یا یہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ۔ ۵-۱۰۵ ۔ (اے ایمان والو! اپنی فکر کرو ۔ اگر تم ہدایت پر ہو، تمہیں نہیں ضرر پہنچا سکتا وہ شخص جو گمراہ ہوا) ۔ میں نے نبی علیہ الصلواۃ والسلام کو یہ فرماتے سنا ہے ۔ '' جب لوگ کوئی بری چیز دیکھیں اور اسے تبدیل نہ کریں' تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دیتا ہے''۔ (ابن ماجہ و ترمذی) — (۴) ۔

یہاں یہ بتانے کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ اگر معاشرہ تمام کا تمام رو بہ فساد ہو، تو افراد کا اس فساد سے محفوظ رہنا کس حد تک ممکن ہوتا ہے ۔ اس لئے اسلام کا یہ حکم ہے کہ قبل اس کے کہ تمام معاشرہ فساد کی زد میں

آجائے، افراد ایک دوسرے کو معروف باتوں کا حکم دیں اور منکرات سے روکیں اور معاشرہ کو سرتاپا فساد بننے نہ دیں۔ا

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک فرد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مختلف طریقوں سے انجام دے سکتا ہے۔ ایک طریقہ جزوی خصوصی دعوت (الدعوة الجزئية الخاصة) کا ہے (۵ الف) - یعنی ایک شخص کو ایک خاص وقت میں کسی اچھے کام کو کرنے اور کسی برے کام کو نہ کرنے کا کہنا، اور چونکہ قرآن نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے - (انما المؤمنون اخوة)، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس طریقے پر عمل کرتے ہوئے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو اچھے کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے باز رہنے کا کہے۔ اور دوسرا طریقہ عمومی کلی دعوت (الدعوة العامة الكلية) کا ہے، اور وہ یہ کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ اچھے کام کس کس طرح انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ انہیں تقریروں کے ذریعہ بتایا جائے، یا کتابیں تصنیف کرکے اور اخبارات و رسائل میں مضمون لکھ کر یا دوسرے ذرائع سے بتایا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اسلام کے متعلق بنیادی علم ہو - اور اس کے ساتھ آج کی دنیا کو بھی ہم جانیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس طریقے پر صحیح طرح عمل کرنے کے لئے ایک خصوصی تنظیم کی ضرورت ہوگی جو ایسے لوگوں پر مشتمل ہو کہ وہ اسلام کو اس کے مصادر اصلی کے ذریعہ جانیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کو سمجھنے کے لئے وہ دوسرے علوم سے بھی واقف ہوں اور پھر وہ اسلام کو ہر زمانے اور ہر جگہ انسانوں کی بہتری کے لئے عملی جامہ پہنائیں (۵ ب) - ظاہر ہے یہ کام اجتماعی کوششوں ہی کے ذریعہ زیادہ خوش اسلوبی اور موثر طریقے سے ہوسکتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مملکت اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ الفارابی کہتا ہے " المدينة الفاضلة هي التي يتعاون اهلها على بلوغ افضل الاشياء التي بها يكون وجود الانسان الحقيقي و قوامه و عيشه و حفظ حياته " (۶) - (مثالی شہر وہ ہے، جس کے باشندے ان بہترین اشیاء تک پہنچنے کے لئے جن کے ذریعہ انسان کا

وجود حقیقی، اس کا قیام و بقا ، اس کی گزر اوقات اور اس کی زندگی کی حفاظت ہوتی ہے، باہم تعاون کرتے ہیں(٦) ۔ الفارابی کے نزدیک اچھائیاں اور برائیاں نفس کی مختلف کیفیتوں سے عبارت ہیں ۔ اور ریاست کے اہل اقتدار کا فرض ہے کہ وہ نفوس کی اصلاح کریں ۔ وہ لکھتا ہے :-

الهیئات النفسانیة التی بها یفعل الانسان الخیرات و الافعال الجمیلة هی الفضائل و التی بها یفعل الشرور و الافعال القبیحة من الرذائل و النقائص و الخسائس (٧)

(وہ نفسی کیفیات جن کے ذریعہ انسان نیک و جمیل افعال کرتا ہے ، وہ فضائل ہیں اور جن نفسی کیفیات کے ذریعہ وہ شر انگیز اور قبیح افعال کرتا ہے وہ رزائل، نقائص اور خسیس باتیں ہیں) ۔

الفارابی ایک مقام پر سیاست دان اور طبیب کی مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''المعالج للابدان هو الطبیب و المعالج للنفوس هو الانسان المدنی ... غیر ان الطبیب لیس قصده بعلاجه الابدان ان یجعل هیئاتها هیئات تفعل بها النفس خیرات اوسیئات بل انما یقصد ان یجعل هیئاتها هیئات تکون بها افعال النفس الکائنة بالبدن و اجزائه اکمل ماتکون، کانت تلک الافعال سیئات اوحسنات (٨ الف) ۔

(ابدان کا معالج طبیب ہوتا ہے اور جو نفوس کا معالج ہے، وہ انسان مدنی یعنی سیاست دان ہے ... لیکن طبیب کا ابدان کے علاج سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ نفوس کی کیفیات کو ایسی کیفیات بنائے ، جن کے ذریعہ نفس انسانی اچھے یا برے کام کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نفوس کی کیفیات کو ایسی کیفیات بنائے کہ ان کے ذریعہ وہ نفس جو بدن اور بدن کے اجزاء سے مرکب ہے، اپنے افعال کو بہتر سے بہتر طریقے سے انجام دے ۔ یہ افعال برائیاں (سیئات) یا اچھائیاں (حسنات) ہوں ۔

الفارابی مزید لکھتا ہے ۔ مثال کے طور پر وہ طبیب ''والذی یعالج العین انما قصده ان یجود بها الابصار سواء استعمل ذالک فیما ینبغی و یحسن او فیما لا ینبغی و یقبح (٨ ب) ۔ (جو آنکھ کا علاج کرتا ہے، بیشک اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بصارت بہتر ہوجائے۔ خواہ یہ بصارت مناسب اور اچھے طور پر استعمال ہو یا غیرمناسب اور قبیح طور پر) ۔ اس کے برعکس صاحب سیاست مدنی (سیاست دان)

نفس کا علاج کرتا ہے تاکہ وہ اچھے کام کرے اور برے کاموں سے بچے، چنانچہ الفارابی کے الفاظ میں :- ''کذالک المدنی یحتاج الی ان یعرف النفس... من النقائص و الرزائل و مما یعرض و من کم شئی یعرض و ما الهیئات النفسانیة التی بها یفعل الانسان الخیرات و کم هی و کیف الوجه فی ازالة الرذائل عن اهل المدن و الحیلة فی تمکینها فی نفوس المدنیین و وجه التدبیر فی حفظها علیهم حتی تزول'' (۹)

(اسی طرح انسان مدنی (سیاست دان) نفس کا علم رکھنے کا محتاج ہوتا ہے ... نفس کے ان نقائص اور رذائل کے علم کا، جو اس نفس پر عارض ہوتے ہیں' جہاں سے وہ عارض ہوتے ہیں اور جس مقدار میں وہ عارض ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کون سی نفسی کیفیتیں ہیں' جن کی وجہ سے انسان اچھے کام کرتا ہے' وہ کتنی ہیں اور شہروں کے باشندوں سے رذائل کو دور کرنے کا کیا طریقہ ہے اور شہریوں کے نفوس میں فضائل کو راسخ کرنے کی کیا ترکیب ہے اور وہ کیا تدبیر ہے' جس کے ذریعہ یہ فضائل ان میں محفوظ رہیں اور ان سے دور نہ ہوں) ۔

غرض الفارابی کے نزدیک '' افضل الاشیاء '' صرف مادی اور ذہنی ترقی نہیں ہے۔ اخلاقی اساس کے بغیر خواہ کتنی بھی مادی اور ذہنی ترقی ہو' انجام کار وہ انسانیت کے لئے مضر ہوتی ہے۔ الفارابی اس کی مثال یہ دیتے ہیں :-

'' سائر القوی النفسانیہ" التی یشرف بها الانسان مثل التمیز و ما تتبعه فهو فی الاخیار من الناس سبب لکل خیر' فهو شریف جداً فاضل و فی الانسان الشریر سبب لکل شر" و فساد - ۱۰ الف - (تمام نفسی قوتیں جن سے کہ ایک انسان کو مشرف کیا گیا ہے، جیسے کہ قوت تمیز اور اس سے ملتی جلتی قوتیں ہیں۔ چنانچہ یہ اچھے لوگوں میں ہر اچھائی کا سبب ہیں - وہ انسان بہت شریف اور فاضل ہے - اور ایک شریر انسان میں ہر شر اور فساد کا سبب ہیں) - اسی طرح وہ ریاست جس کے ہاں اخلاقی معیار نہیں اور جو اچھے کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے روکنے کا حکم نہیں دیتی، اس میں بقول الفارابی کے ''و یکاد ان تکون الاشیاء الانسانیہ" التی هی اعظم الخیرات الارادیہ" و الصنائع فی المدینة التغلبیہ" شروراً او آفات و اسبابا لافات تحدث فی العالم'' (وہ انسانی اشیاء جو ارادی

بھلائیوں اور صنعتوں میں بہترین ہیں، قریب ہے کہ وہ ایک متغلب شہر (مدینہ فاضلہ یا مثالی شہر کے برعکس شہر) بھی برائیاں، آفتیں اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی آفتوں کے اسباب بن جائیں) اس کے پیش نظر الفارابی یہ تجویز کرتا ہے۔

" فمن اجل ذلک حرم علی الفاضل من الناس المقام فی السیاسیات الفاسدۃ و وجبت علیہ الھجرۃ الی المدن الفاضلہ" ان کان لھا وجود فی زمانہ بالفعل۔ واما ان کانت معدومہ" فالفاضل غریب فی الدنیا و ردیٔ العیش و الموت خیر لہ من الحیاۃ (۱۰ — ج)

(اسی بنا پر لوگوں میں سے جو فاضل ہے، اس پر یہ حرام ہے کہ وہ فاسد سیاسیات کے درمیان اقامت گزیں رہے۔ اور اس پر واجب ہے کہ مدن فاضلہ (مثالی شہروں) کی طرف ھجرت کرے اگر اس کے زمانے میں ایسے شہروں کا بالفعل وجود ہو۔ اور اگر ایسے شہروں کا وجود نہیں، تو ایسا فاضل انسان دنیا میں اجنبی اور بد حال ہوتا ہے اور اس کے لئے زندگی سے موت بہتر ہے)۔

ظاہر ہے الفارابی کی یہ تجویز حد سے زیادہ مایوسانہ ہے۔ اور اسلام اس کا قطعاً روادار نہیں۔ اس کے برعکس وہ برائیوں کے خلاف جہاد کی تلقین کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ ملحوظ رہے کہ جہاد صرف لڑائی کا نام نہیں۔ بے شک لڑائی جہاد کی ایک شق ہے۔ اسلام کے نزدیک جہاد زندگی کی اس تمام جدوجہد پر حاوی ہے جو اسے بہتر اور اصلح بنانے کے لئے کی جاتی ہے۔

وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل نہیں، وہاں بحیثیت ایک عظیم اخلاقی معاشرتی اصلاحی اقدام کے مسلمانوں کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دائرہ کار لازماً محدود ہوگا۔ یقیناً اس اصلاحی اقدام کے اصول کو پورے طور پر عملی جامہ پہنانے کے لئے اسلامی مملکت کا وجود ضروری ہے۔ مسلمانوں کو سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد کیا کرنا چاہئے، قرآن مجید نے اس بارے میں یوں رہنمائی فرمائی ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلواۃ و آتوا الزکواۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور (۲۲-۴۱)۔

(وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور (دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا کے اختیار میں ہے) -

غرض ایک سر زمین میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر مسلمانوں کے مقدم ترین فرائض میں داخل ہے -

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، الفارابی کے نزدیک ایک مثالی شہر (مدینہ فاضلہ) ہی میں اہل شہر باہمی تعاون سے انسانی زندگی کی ضرورتوں کی اعلیٰ و افضل اشیاء حاصل کرسکتے ہیں - اور بقول اس کے یہ اس لئے کہ :

''الاجتماع علی الفضیلۃ لا یقع فیہ تباین اصلاً ولا تفاسد لان الغرض فی الفضیلہ" واحد و ھوالخیر الذی یراد لنفسہ لا لشئی آخر غیرہ... فلا یتفاسدون ابداً ما دام غرضھم واحداً - و انما یقع التفاسد باختلاف الشھوات و تباین الاغراض (۱۱ الف)

(وہ اجتماع جو فضیلت پر مبنی ہے' اس میں نہ تو سرے سے تضاد و اختلاف وقوع پذیر ہوتا ہے اور نہ فساد - کیونکہ فضیلت کے پیش نظر جو مقصد ہوتا ہے' وہ ایک ہے - اور وہ ہے خیر اور بھلائی جو بذاتہ مراد ہوتی ہے نہ کہ کسی اور شے کے لئے ... چنانچہ اس شہر کے لوگ جب تک کہ آن کا مقصد ایک ہے، کبھی مفسدہ پردازی نہیں کرتے - بے شک مفسدہ پردازی خواہشات کے اختلاف اور اغراض کے تضاد سے وقوع پذیر ہوتی ہے) -

الفارابی کے نزدیک وہ اجتماع جس کی بنیاد خود غرضی پر ہو - اور اس کے اخلاقی معیار وقتی ضرورتوں کے مطابق بدلتے رہیں ' وہ فاسد اور شر انگیز ہے - بقول اس کے '' ان کل واحد من المتعاملین والشریکین یریدان یسلب صاحبہ نصیبہ لیتوفر علیہ و کذلک صاحبہ ایضاً یرید منہ ذلک و یعتقدہ فیہ فیکون حینئذ التباین (۱۱ ب) - (کیونکہ باہم در معاملہ کرنے والوں اوردر شریک کاروں میں سے ہر ایک یہ چاہے گا کہ اپنے ساتھی کا حصہ سلب کرے تاکہ اس سے اسے زیادہ ملے، اسی طرح دوسرا ساتھی بھی اس سے یہی چاہے گا - اور اس کے بارے

میں بھی خیال رکھے گا ۔ اور اس طرح آن میں اختلاف ہوگا) ۔ اب اگر ایک معاشرے کے پیش نظر خیر اور بھلائی بطور مقصد کے ہے، تو اس کے افراد میں آپس میں بنیادی قسم کے اختلافات نہیں ہوں گے ۔ بے شک ان میں اس بارے میں عارضی و وقتی اختلافات ہوسکتے ہیں کہ خیر اور بھلائی کے نصب العین کو کس طرح حاصل کیا جائے ، اور ظاہر ہے یہ زیادہ نقصان دہ نہیں ہوسکتے اور ان سے معاشرہ میں خلل بھی واقع نہیں ہوسکتا ۔ رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد مبارک ''اختلاف آمتی رحمہ'' (میری امت میں رائے کا اختلاف ایک رحمت ہے) سے یہی مراد ہے ۔

رائے کی تعریف الفارابی یوں کرتا ہے ۔ '' وما ہو فی الحقیقۃ" رأی ہو رأی قد تعقب و صحح بعد التعقب (فی الحقیقت رائے وہ ہے' جس کی جرح و تنقید کے بعد تصحیح ہوئی ہو) ۔

غرض وہ بنیادی وحدت جس پر کہ ایک معاشرے کے قیام اور اس کے استحکام کا انحصار ہے، اس کے حصول کا واحد طریقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ افراد معاشرہ کا باھمی تعاون ہے ۔ ہم نے اوپر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں یہ جو آیت ذکر کی تھی '' و لتکن منکم آمۃ" یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون'' ، اس سے پہلے اور اس سے بعد کی آیات میں اتحاد و اتفاق پر ہی زور دیا گیا ہے ۔ مذکور بالا آیت سے پہلے کی آیات یہ ہیں :

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا و اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفاحفرۃ من النار فانقذکم منھا کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تھتدون ۔

اور آیت مذکورہ کے بعد یہ آیت ہے :

ولا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ما جاءھم البینت و اولئک لھم عذاب عظیم ۔

مطلب یہ ہوا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول پر عمل کرنے سے آمت میں اتحاد و وحدت پیدا ہوتی ہے ۔ اور اس سے معاشرے کو استحکام نصیب ہوتا ہے ۔

شیخ محمد عبدہ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا ھے کہ :

" فالامر بالمعروف و النہی عن المنکر حفاظ الجامعۃ و سیاج الوحدۃ "
(امر بالمعروف و نہی عن المنکر جمعیت کی حفاظت اور وحدت کی حصار ھے) -

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عمومی اصول کے تحت کئی اور ضمنی اصول آتے ھیں - قرآن مجید میں جہاں یہ ارشاد ھوا ھے : یا یھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۴ - ۵۹ - (اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اھل حکومت ھیں، ان کا بھی) - وھاں رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک حدیث ھے ، "لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف" البخاری و المسلم — (معصیت میں طاعت نہیں - طاعت معروف میں ھے) - گویا اگر ایک طرف اولی الامر منکم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ھے ، تو دوسری طرف یہ اطاعت صرف معروف تک محدود کردی گئی ھے -

ایک اور حدیث نبوی ھے : کلا واللہ لتامرون بالمعروف و لتنہون عن المنکر و لتاخذن علی یدی الظالم و لتاطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصراً او لیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض - (ابو داؤد عن عبداللہ بن مسعود) -

(ھرگز نہیں - خدا کی قسم تمہیں بالضرور معروف کا حکم دینا ھوگا اور منکر سے روکنا ھوگا اور ظالم کا ھاتھ پکڑنا ھوگا - اسے حق پر جھکانا اور اس پر محدود کرنا ھوگا ورنہ اللہ تم میں سے بعض کے دل بعض دوسروں کے خلاف کردے گا) -

مزید برآں جب ھر مسلمان کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری ھوا تو اس کے نتیجے میں اس کے لئے لازمی ٹھہرا کہ وہ معروف اور منکر سے واقف ھو اور اس کا علم رکھے- اسی بنا پر تفسیر المنار میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر والی آیت (۳-۱۰۳) کی تفسیر کرتے ھوئے بتایا گیا ھے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم پر عمل نہ کرنے کا عذر کسی مسلمان کا جاھل ھونا ھوسکتا - کیونکہ ایک مسلمان کا عالم ھونا واجب ھے - " ان الجہل لیس

بعذر للمسلم لانه یجب ان یکون عالماً '' (۱۵) ۔

امر بالمعروف کی ایک شکل عدل کا قیام ہے اور نہی عن المنکر سے مراد ظلم کا سدباب ہے ۔ شیخ محمد عبدہ آیت ۱۰۳ سورہ ۳ (و لتکن منکم الخ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ '' لا معروف اعرف من العدل ولا منکر انکر من الظلم '' ۱۶ ۔ (عدل سے بڑھ کر کوئی معروف نہیں اور ظلم سے بدتر کوئی منکر نہیں) الفارابی نے عدل کی اس سے زیادہ واضح الفاظ میں تشریح کی ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

'' العدل یکون اولا فی قسمة الخیرات المشترکة التی لاهل المدینة علی جمیعهم ثم بعد ذلک فی حفظ ما قسم علیهم و تلک الخیرات هی السلامة والاموال والکرامة والمراتب و سائر الخیرات التی یمکن ان یشترکوا فیها فان لکل واحد من اهل المدینة قسطا من هذه الخیرات مساویا لاستئهاله فنقصه عن ذلک و زیادته علیه جور فاما نقصه فجور علیه واما زیادته فجور علی اهل المدینة و عسی ان یکون ایضاً جوراً علی اهل المدینه (۱۷) ۔

(عدل سب سے پہلے ان مشترک اچھی چیزوں کی تقسیم میں ہوگا، جو تمام اہل شہر کے لئے ہوتی ہیں ۔ اس کے بعد جو اہل شہر پر منقسم ہوا ، اس کی حفاظت سے عدل کا تعلق ہے ۔ یہ اچھی چیزیں ہیں :۔ سلامتی، مال و متاع ، عزت و کرامت، درجات اور دوسری اچھی چیزیں جن میں اہل شہر شریک ہوسکتے ہیں ۔ ان اچھی چیزوں میں سے اہل شہر میں سے ہر ایک کا اس کی اہلیت کے مطابق حصہ ہوتا ہے ۔ اس حصے میں سے کوئی کمی یا زیادتی اس شخص پر ظلم ہے ۔ اگر اس کے حصے میں کمی ہے، تو یہ اس پر ظلم ہے ۔ اور اگر اس کی اہلیت سے زیادہ اسے حصہ ملا ہے تو یہ اہل شہر پر ظلم ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے حصے میں کمی بھی اہل شہر پر ظلم ہو) ۔

اس کے بعد الفارابی لکھتا ہے :۔ ''اجزاء المدینة و مراتب اجزائها تاتلف بعضها مع بعض و ترتبط بالمحبة و تتماسک و تبقی محفوظة بالعدل و افاعیل العدل۔ ۱۸۔ (شہر کے اجزا اور اس کے اجزا کے درجات آپس میں متحد، محبت کے ذریعہ مربوط اور عدل اور عدل کے اعمال سے مضبوط اور محفوظ ہوتے ہیں ۔

قرآن مجید نے عدل کو تقویٰ سے قریب ترین بتایا ہے۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حال میں عدل کو شعار بنائیں۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:— ''لیس منا من دعا الی عصبیۃ و لیس منا من قاتل علی عصبیۃ و لیس منا من مات علی عصبیۃ'' (ابو داؤد عن جبیر بن مطعم)

(وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی دعوت دی۔ وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر لڑا اور وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر مرا)۔
اور جب آپ‌ص سے پوچھا گیا کہ عصبیہ کیا ہے، تو آپ‌ص نے فرمایا:

ان تعین قومک علی الظلم (ابو داؤد)

یعنی تم اپنی قوم کی ظلم میں اعانت کرو۔

اسی لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کو بہترین امت کہا ہے کہ وہ معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ (۳ - ۱۰۹)

غرض معروف اپنے وسیع تر معنوں میں ان تمام فضائل پر مشتمل ہے، جن سے ایک فرداور جماعت کی زندگی سنورتی اور فلاح پاتی ہے اور منکر وہ سب خرابیاں ہیں، جو افراد اور جماعتوں کی تباہی و بربادی کی ضامن ہیں۔ چنانچہ معاشرتی زندگی کی تنظیم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا عظیم ترین مقصد مظالم کی مدافعت ہے کہ لوگوں کو ظلم و جور سے بچایا جائے۔ کیونکہ ظلم و جور سے انسانوں کی زندگی اور زندگی کے تمام حالات درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ اور وہ وقت و تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں   حجۃ اللہ البالغہ

حوالجات

(۱) تفسیر فخر الرازی جزو ۳ ص ۲٦ -

(۲) ایضاً ص ۲۷ -

(۳) امر بالمعروف از مولانا ابوالکلام آزاد ۔ مطبوعه هلال یک ایجنسی دهلی-

(۴) مشکواة المصابیح ' مطبوعه دهلی ۔ کتاب الادب -

(۵) تفسیر المنار جزو ۴ ص ۲۸ -

(٦) فصول المدنی للفارابی فصل ۲۵ -

(۷) ایضاً فصل ۲ -

(۸) ایضاً فصل ۳ -

(۹) ایضاً فصل ۴ -

(۱۰) ایضا فصل ۸۸ -

(۱۱) ایضاً فصل ۹۴ -

(۱۲) السیوطی - الجامع الصغیر -

(۱۳) فصول المدنی للفارابی فصل ۹۳ -

(۱۴) تفسیر المنار جزو ۴ ص ۲٦ -

(۱۵) ایضاً ص ۳۵ -

(۱٦) ایضاً ص ۴۵ -

(۱۷) فصول المدنی ۔ فصل ۵۸ -

(۱۸) ایضاً فصل ۵۷ -